© rasailojaraid.com

رشید احمد (جالندھری)

حیاتِ سرمد پر ایک نظر

ہم نے 'المعارف' جولائی ۱۹۹۳ء میں مرحوم مولانا سیّد ابوالخیر مودودی کا ایک مقالہ ''حیاتِ سرمد پر ایک نظر'' شائع کیا تھا۔ جسے اہلِ علم نے پسند فرمایا۔ ڈاکٹر محمد اجمل مرحوم اور ڈاکٹر جمیل جالبی جیسے اہلِ علم نے اپنے مکاتیبِ گرامی میں مولانا مرحوم کے مقالہ کی دل کھول کر داد دی۔ ڈاکٹر محمد اجمل اپنے مکتوبِ گرامی میں لکھتے ہیں: ''حیاتِ سرمد پر ایک نظر'' دیکھا جو سیّد ابوالخیر مودودی (مرحوم) نے لکھا ہے، مولانا کا مضمون علمی دیانت اور محنت سے لکھا گیا ہے... مولانا کی دل آویز شخصیت کے بارے میں پڑھ کر آدمی مولانا کی شخصیت سے متاثر ہوتا ہے۔ مولانا نے مختلف مورخوں کے بیانات سے استفادہ کیا ہے۔ ان کے مطالعہ کے بعد جو نتیجہ نکالتے ہیں، وہ بہت صحیح اور صائب ہوتا ہے... خیام اور سرمد کا موازنہ خوب ہے۔ خیام غم سے آزاد ہو جاتا ہے اور سرمد غم میں مبتلا رہتا ہے اور قید و بندِ غم کو ایک سمجھتا ہے۔''

سیّد ابوالخیر مودودی نے سرمد کے بعد داراشکوہ (المعارف، اکتوبر ۱۹۹۳ء) اور اورنگ زیب (المعارف نومبر-دسمبر ۱۹۹۳ء) پر لکھا اور خوب لکھا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنے مکتوب گرامی میں لکھا تھا کہ ان مقالات کو کتابی صورت میں شائع کر دینا چاہیے۔ لیکن ہم سیّد ابوالخیر مودودی کے مقالات کو کتابی صورت میں شائع کرنے سے پہلے سرمد پر دوسرے اہلِ علم کے مقالات کو بھی شائع کرنا چاہتے تھے۔ سرمد پر اُردو میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۰ء میں اور انگریزی میں مولوی عبدالولی خان نے (بنگال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایشیائی سوسائٹی جنرل [۱] ۱۹۲۴ء) لکھا تھا۔ ایسے ہی بھارت کے معروف اُردو رسالہ: 'معارف' نے (دسمبر ۱۹۲۷ء) 'سرمد کی زندگی کا ایک کہنہ ترین ورق' کے نام سے ایک مضمون میں لکھا تھا:

"معارف میں جب منصور حلاج پر ایک مضمون لکھا گیا تھا، تو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر اقبال نے لکھا تھا: "ابھی ایک 'شہید' اور باقی ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس 'شہید' کے قتل کی بھی باری آ جائے۔"

۱۹۹۲ء میں دہلی سے "Islam and Indian Nationalism"[۲] شائع ہونے والی کتاب میں ہمارے فاضل اور متحرک دوست ڈاکٹر ٹرول (C.W. Troll) نے ابوالکلام آزاد اور سرمد شہید کے عنوان سے ایک قیمتی مقالہ لکھا، جس میں ابوالکلام کے نظریۂ وحدتِ ادیان (Unity of Religions) پر تفصیل سے لکھا اور بتایا کہ سچائی اور حقیقت تک پہنچنے کے لیے عشق ہی پہلا زینہ ہے، سرمد نے بھی اسی راہ کو اختیار کیا تھا۔ ڈاکٹر I.H. Douglas نے ۱۹۶۹ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں "ابوالکلام آزاد، فکری اور مذہبی سوانح" ("An Intellectual and Religious Biography") کے نام سے مقالہ لکھا تھا، اسے بھی ڈاکٹر ٹرول (Troll) ہی نے مرتب کیا ہے۔[۳]

مولانا آزاد نے یہ مقالہ ۱۹۱۰ء میں خواجہ حسن نظامی کی فرمائش پر نظام المشائخ دہلی کے لیے لکھا تھا۔ اس مقالہ میں مولانا کا اندازِ بیان اس قدر انوکھا تھا کہ پڑھنے والوں نے مولانا کی تخلیقی صلاحیتوں کا اندازہ لگا لیا تھا۔ مثلاً اس مقالے میں ایک جگہ لکھتے ہیں: "ایشیا میں ہمیشہ سے پالیٹیکس مذہب کی آڑ میں رہا ہے۔ اور ہزاروں خونریزیاں جو پولیٹیکل اسباب سے ہوئی ہیں، انھیں مذہب کی چادر اُڑھا کر چھپایا گیا ہے۔"

---

[1] Journal of the Asiatic Society of Bengal (w.s.xx, 1924)

[2] Edited by Prof. Mushir-ul Hasan

[3] Abul Kalam Azad, An Intellectual Religious Biography by L.H. Douglas, Ed. C.W. Troll, Oxford, 1988.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی تلخ حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں: ''اسلام کے اس ۱۴سو برس کے عرصہ میں فقہا کا قلم ہمیشہ تیغِ بے نیام رہا ہے۔ اور ہزاروں حق پرستوں کا خون ان کے فتوؤں کا دامن گیر ہے۔ اسلام کی تاریخ کہیں سے پڑھیں سینکڑوں مثالیں کہتی ہیں کہ بادشاہ جب خون ریزی پر آتا تھا تو دارالافتاء کا قلم اور سپہ سالار کی تیغ دونوں یکساں طور پر کام کرتے تھے۔''

سرمد پر لکھتے ہوئے مولانا نے لکھا: ''کفر ساز تو اپنے مدرسہ و مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر سوچتے تھے کہ اس کی کرسی کتنی اونچی ہے اور وہ (سرمد) اس منارۂ عشق پر تھا جہاں کعبہ اور مندر بالمقابل نظر آتے ہیں اور جہاں کفر و ایمان کے عَلَم ایک ساتھ لہراتے ہیں۔''... ''سرمد جوشِ جنوں میں پھرتا ہوا جب شاہ جہاں آباد دہلی پہنچا تو قضا نے اشارہ کیا کہ قدم روک لیے جائیں، کیوں کہ جس جام کی تلاش ہے، وہ اسی مے خانہ میں ملے گا۔''

واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے اپنے عہدِ شباب میں سرمد پر جو مقالہ لکھا تھا، اس میں اُنہوں نے اپنی ہی داستانِ حیات لکھی تھی۔ چنانچہ وہ زندگی بھر مذہب، سیاست اور ادب کے میدان میں حق پرستی اور انسان دوستی کی تاریخ رقم کرتے رہے۔

آزاد کو اپنی خود اعتمادی کے بارے میں کبھی شک نہیں رہا۔ انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ انہیں ایک خدائی مشن سونپا گیا ہے اور اسے پیغمبرانہ انداز ہی سے پورا کیا جانا چاہیے۔

ابوالکلام کی قرآنی بصیرت، فکری گہرائی اور سیاسی تدبر کا نہ صرف برصغیر کے اہلِ علم نے اعتراف کیا ہے بلکہ عالمی دانش مندوں نے بھی انہیں خراج ادا کیا ہے۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین کا ذکر ایک اولوالعزم خداترس، انصاف پسند حکمران کی حیثیت سے کیا ہے، مولانا نے اپنی معروف تفسیر ترجمان القرآن میں تاریخی دلائل سے ذوالقرنین (سائرس) کو ایک ایرانی بادشاہ قرار دیا ہے۔ آج ایران کے اہلِ تفسیر نے مولانا کے نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا ہے۔[۱] قرآن

---

[۱] علی اصغر حکمت: سرزمینِ ہند، طہران ۱۳۳۷ھ (۱۹۵۹ء)۔ ڈاکٹر علی اصغر حکمت دہلی میں ایران کے سفیر تھے اور اپنے قیامِ دہلی میں مولانا مرحوم سے ملتے رہے۔ ڈاکٹر حکمت مولانا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''مولانا آزاد ایشیا کے ممتاز اہلِ علم میں سے ہیں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے حضرت یوسف کی عظیم پیغمبرانہ شخصیت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ ''وہ مصر کے بازار میں ایک غلام کی حیثیت سے بیچے گئے۔ جہاں شاہی خاندان کی امراۃ العزیز اور دارالحکومت مصر کے تمام فتنہ گرانِ حسن جمع ہو گئے تھے کہ ان (حضرت یوسف) کی متاعِ ضبط و تحمل کی غارت گریوں میں حصہ لیں۔'' لیکن حضرت یوسف نے اپنے حسنِ عمل سے بتا دیا:

''ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور آئے، کرے شکار مجھے''

مولانا نے ترجمان القرآن میں اس تاریخی واقعہ کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد لکھا:

''دُنیا میں یوسف کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ گزری، لیکن یوسف کے حسنِ عمل کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ کے لیے نہ تھی، بلاشبہ مصر کا بازار اب باقی نہیں رہا۔ لیکن دُنیا کے بازار کو کس نے بند کیا ہے؟ آج بھی جس کا جی چاہے شانِ یوسفیت پیدا کر کے دیکھ لے، دُنیا کے تخت و اجلال اس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں؟'' مولانا کی اس تفسیر کے بارے میں ایک ہندوستانی عالم نے صحیح لکھا تھا ''اس سے تفکر کے قدم آگے بڑھے ہیں، فکر و نظر کے نئے نئے راستے کھلے ہیں۔ مذہبی بصیرت میں اضافہ ہوا ہے۔''

مصر کے ایک سابق وزیرِ اوقاف اور جامعہ ازہر کے شیخ الازہر شیخ حسن الباقوری جب ۱۹۵۴ء میں باڈنڈوگ کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے صدر جمال عبدالناصر کے ساتھ دہلی گئے تو دہلی میں مصر کے سفیر نے اُن سے کہا کہ وہ یہاں دہلی میں ابوالکلام سے ضرور ملیں، چنانچہ وہ ملے اور اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا: ''مولانا علم کا ایک سمندر ہیں، جس کا کوئی ساحل نہیں۔ مزید یہ کہ وہ دینی اور دُنیاوی امور پر گہری نظر رکھتے ہیں۔''[ا]

مولانا نے جب اپنے دُنیاوی مشن کو پورا کرنے کے بعد ۲۲/فروری ۱۹۵۸ء کو دُنیا سے کوچ کیا۔ تو پتہ چلا کہ مولانا نے اپنے پیچھے اپنے علمی و ادبی اثاثہ کے علاوہ کوئی جائداد نہیں

[ا] بقایا ذکریات، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ص ۱۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوڑی، دہلی کے ایک اخبار ''دعوت'' نے لکھا: ''ابھی چند دن ہوئے یہ فہرست (آزاد کے چھوڑے ہوئے مالی ورثے) دہلی کی برگزیدہ ہستیوں کو دکھلائی گئی اور جب اس کا ذکر چند لوگوں تک پہنچا تو سننے والوں پر سناٹے کا عالم طاری ہوگیا۔ وہ ایک طرح سے بھونچکے رہ گئے۔ ... جو چند کاغذات ان کے پاس سے ملے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی تقسیم کے بعد اُنہوں نے بے شمار مصیبت زدہ لوگوں کی مالی امداد کی تھی... مولانا بہت سے پنجابی، سندھی اور بنگالی شرنارتھیوں (مہاجرین) کی اپنی بساط کے مطابق امداد کیا کرتے تھے۔''[۱]

ابوالکلام نے سرمد کے بارے میں لکھا تھا: ''وہ اس منارۂ عشق پر تھا، جہاں کعبہ اور مندر بالمقابل نظر آتے ہیں۔'' یہی بلند کردار ابوالکلام کے حصہ میں بھی آیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے لکھا تھا کہ وہ ''زندگی بھر حق پرستی اور انسان دوستی کی تاریخ رقم کرتے رہے اور سقراط کی زبان بولتے رہے۔ سقراط نے یونانی عدالت کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''نیکی (Virtue) دولت سے خریدی نہیں جاتی... اہلِ یونان! مَیں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم مجھے رہا کرو یا نہ کرو، مَیں ہرگز اپنی راہوں کو بدلنے والا نہیں ہوں، خواہ مجھے اس کے لیے مرنا ہی پڑے۔''[۲]

مولانا ۱۹۴۷ء سے اپنی وفات ۲۲ رفروری ۱۹۵۸ء تک بھارتی حکومت میں وزیرِ تعلیم رہے اور جب کبھی پنڈت نہرو بیرونِ ملک جاتے تو آپ قائم مقام وزیرِ اعظم ہوتے۔ لیکن برصغیر کے انسانی مسائل نے انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ اس سلسلے میں اُنہوں نے چند نجی خط بھی لکھے، جنہیں ان کی وفات کے بعد نیشنل آرکائیوز (دہلی) نے ''آثار و نقوش'' کے نام سے شائع کر دیا ہے۔[۳] ان میں ایک خط پاکستان کے ایک سابق گورنر جنرل مرحوم ملک غلام محمد کے نام ہے۔ جو یہ ہے:

---

[۱] دعوت، دہلی بحوالہ مدینہ (بجنور)، ۹۔ اپریل ۱۹۵۸ء۔

[2] "So, Athenians, I say to you, either acquit me or not;... understand that I shall never alter my ways, not even if I have to die." (Sir R.W., Livingstone, Oxford, 196, p.29)

[۳] ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے کراچی سے بھی شائع کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مائی ڈیئر غلام محمد! میں آپ کو دلی مبارک باد دیتا ہوں، آپ نے جس ہمت کے ساتھ سچوایشن (situation) کا مقابلہ کیا، اس پر میری دلی مبارک باد قبول کیجیے۔ آپ کی ایبٹ آباد کی اسپیچ پڑھ کر مجھے نہایت درجہ خوشی ہوئی۔ انٹی احمدیہ ایجی ٹیشن (Anti Ahmadyya Agitation) نے بتلا دیا ہے کہ اگر مذہبی فنائٹس ازم (Fanaticism) کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو اس کے تباہ کرنے والے نتائج کہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ جولائی میں مسٹر محمد علی کو دہلی بھیجیے، مجھے یقین ہے کہ پاکستان اور انڈیا کے تعلقات کا مسئلہ ہم حل کر کے رہیں گے۔

آزاد

(۲۲-۲۳ مئی ۱۹۵۴ء)

اس خط سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ برصغیر پاک و ہند کے انسانی مسائل پر کس قدر گہری نظر رکھتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے مولانا کی وفات پر ہندوستان کی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: ''کسی ممتاز شخصیت کی وفات پر عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی وفات سے ایک خلا پیدا ہو گیا ہے، جسے پُر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن میرا یقین ہے کہ مولانا کی رحلت سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے واقعی پُر نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آئندہ ہندوستان میں کوئی بڑا آدمی پیدا نہیں ہوگا--- لیکن میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ یہ خاص عظمت جس کی نمائندگی مولانا آزاد کر رہے تھے۔ شاید ہی دوبارہ ہندوستان یا کسی دوسری جگہ پیدا ہو سکے۔ جواہر لال نہرو نے مولانا کی عظیم شخصیت پر بولتے ہوئے مزید کہا:

''رواداری، صبر و تحمل، یہ صفات جو آج کی دُنیا میں نظر نہیں آتیں۔ ایسے ہی، متانت، گہرائی، پختہ علم اور وقار و تمکنت، جنہوں نے مولانا آزاد کو آزاد بنایا، آج ہم اسی عظیم انسان کا ماتم کر رہے ہیں، جو روشنی عقل، عظیم فکر (Mighty Intellect) کا مالک تھا، جو مسائل کی تہ تک پہنچنے کی حیرت ناک فکری استعداد رکھتا تھا۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج ہم اس روشن دماغ دوست، ساتھی اور رہنما سے بچھڑ گئے ہیں۔ ان کے چلے جانے سے ہماری زندگی اور اس کی تگ و دو میں ایک خلا واقع ہوگیا ہے... لیکن وہ اور ان کا پیغام زندہ رہے گا۔ اور ہم برابر اس سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔"[۱]

اسے سرمد کی کرامت کہیے یا کچھ اور کہ ۲۲۔ فروری ۱۹۵۸ء کو مولانا ابوالکلام آزاد کو دہلی میں آخری آرام کے لیے وہیں جگہ ملی جہاں سرمد سوئے ہوئے ہیں۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالہ حیات
تا ز بزم عشق یک دانائی راز آمد بروں

---

[۱] یہ پوری تقریر Azad نامی کتاب (ص ۱-۴) جسے ہمایوں کبیر نے ۱۹۵۹ء میں دہلی سے شائع کیا ہے، پڑھنے کے قابل ہے۔

© rasailojaraid.com